تقلیدی مذہب

محمود مرزا جہلمی چیف ایڈیٹر ہفت روزہ صدائے مسلم جہلم

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے راستے کے متعلق متعدد بار صراط مستقیم فرمایا گیا اور آپؐ کو ''علیٰ صراط مستقیم'' کہا گیا۔ کیا تقلیدی مذاہب کے علم بردار سارے قرآن مجید اور صحاح ستہ میں سے ایک لفظ بھی اپنے اپنے تقلیدی مذاہب کی صداقت، حفاظت اور صحت پر لا سکتے ہیں؟

نہیں، ہرگز نہیں! اس کے مقابلے میں اہل حدیث حضور اقدسؐ کی اطاعت، اتباع، اور فرمانبرداری کرتے ہیں اور حضور اقدسؐ کے راستے پر وحی کی شہادت موجود ہے۔ معاملہ تو یہیں طے ہو گیا کہ اہل حدیث کے موقف پر قرآنی اور آسمانی شہادت موجود ہے جب کہ تقلیدی مذاہب کا نام بھی کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ میں مذکور نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ان علینا جمعه وقرآنه فاذاقرأنه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه﴾ (القیامۃ) ترجمہ: ''اس کا جمع کرنا، پڑھوانا اور بیان سب کچھ ہمارے ذمہ ہے۔'' پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی﴾ (النجم:۳۔۴) ترجمہ: ''(ہمارے نبیؐ) وحی کے بغیر اپنی زبان شریف کو حرکت نہیں دیتے۔'' اہل تقلید کو مجالِ انکار نہیں کیونکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ حضور اقدسؐ کی حدیث ہی قرآن کا بیان ہے۔ گویا اہل حدیث، قرآن مجید کے آسمانی بیان و تشریح حدیث رسولؐ پر کاربند ہیں۔ جب گفتگو اس نہج پر آ جاتی ہے اور تقلیدی مذاہب والوں کو کوئی دلیل نہیں ملتی تو پھر یہ کہہ دیتے ہیں کہ تقلیدی مذاہب کا ماخذ تو حدیث ہی ہے۔ مگر اس دلیل سے بڑھ کر بے مغز اور غیر علمی موقف کوئی ہو نہیں سکتا۔ ان سے کون پوچھے، بھلے لوگو! تمہیں کس حکیم نے بتایا تھا کہ پہلے مذاہب تراشو اور پھر زندگی بھر ان کی صحت و صداقت کے اثبات پر قرآنی آیات اور احادیث کو توڑ موڑ کر منطبق کرتے رہو؟

علت اس تحریر کی یہ ہوئی کہ راقم کو (چند روز قبل) جہلم کی معروف جامع مسجد میں نماز عصر پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ کئی دوسرے نمازی بھی جماعت اولیٰ سے بچھڑے ہوئے تھے۔ راقم نے جماعت ثانی کرائی تو خطیب مسجد مذکور مولانا صاحب سخت جز بز ہوئے اور جماعت ثانی کی کراہت پر ایک مطبوعہ فتویٰ نکال لائے۔ فتویٰ کی بنیاد اگر کتاب و سنت پر ہوتی تو میں صدق دل سے قبول کرتا مگر اہل تقلید کی روایت کے

مطابق فتویٰ دیو بندی اکابر کی آراء پر مشتمل تھا۔ اس کے استرداد کیلئے تو ہماری اوپر والی دلیل ہی کافی ہے کہ جماعت ثانی کی ممانعت یا کراہت پر کوئی قرآنی آیت یا حدیث لاؤ۔ مگر ان کے ذخیرہ علم میں قرآن و حدیث کے موتی کہاں؟ لہذا ہمارے نزدیک یہ فتویٰ بھی ان کے تقلیدی مذہب ہی کی طرح ناقابل التفات ہے۔ تاہم میرا فرض بنتا ہے کہ میں جماعت ثانی کا جواز حضور اقدسؐ کی حدیث مبارکہ سے پیش کروں۔ گو کہ مجھے یہ کوئی خوش فہمی نہیں کہ اہل تقلید اس حدیث کو پڑھ کر بھی اپنے موقف سے رجوع کر لیں گے۔ کیونکہ قبول حق کیلئے جس کھلے دل کی ضرورت ہوتی ہے اس پر تقلید نے وہ غلاف چڑھائے ہوئے ہیں جو قرآن مجید میں یوں بیان ہوئے ہیں: ﴿ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقاحرجاً کانما یصعد فی السماء﴾ (الانعام: ۱۲۵) ترجمہ: ''جب اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کے سینہ کو (قبول حق کیلئے) تنگ کر دیتے ہیں اور وہ (محسوس کرتا ہے) کہ گویا آسمان پر چڑھ رہے ہیں۔''

فتویٰ بازی اور مناظرہ بازی سے ہمیں اصولی طور پر نفرت ہے۔ اس کار بے خیر سے کبھی کچھ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن اجرائے فتویٰ ہی اگر کوئی کمال ہے تو لیجیے ہم بھی فتویٰ جاری کر دیتے ہیں کہ یہ فتویٰ اور اس کے سارے مندرجات بے سند، بے جواز، بے اصل، غیر علمی، غیر اسلامی اور غیر فقہی ہیں۔ ان کی بنیاد سراسر تعصب پر ہے۔

اب ہم باری باری اس فتویٰ میں مدرج مسائل کا جواب دیتے ہیں:

۱۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور قرآن نہ پڑھنا چاہئے۔ استدلال قرآنی آیت سے کیا گیا ہے: ''جب قرآن پڑھا جائے تو سنو......'' حدیث یہ پیش کی گئی ہے: ''امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ حوالے درمختار اور بحر الرائق سے دیئے گئے ہیں۔

ہم صرف یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ بحث کی خاطر ہم اس موقف کی تردید نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے بحث غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ قرآنی آیات اس موقع و محل کیلئے نہ ہیں۔ پر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ جب امام قرآن پڑھے تو سنو۔ جی، ضرور سنو۔ ہم بھی سنتے ہیں۔ جہری قرأت میں تو فاتحہ اور قرآن دونوں سنے گئے۔ مگر دوسری نمازوں اور رکعتوں میں ہم کیا سنیں؟ امام تو خاموش ہے۔ مقلدین ہی بتائیں کہ ہم کیا اور کیسے سنیں؟ اب اگر ان کی پیش کردہ حدیث پر عمل کریں تو کیا جہری اور کیا سری نمازوں اور رکعتوں میں امام کا پڑھنا، ہی مقتدی کا پڑھنا ہے تو مقتدی کس کام کیلئے آیا ہے؟ کیا وہ صرف کھڑا ہونے اور اٹھنے بیٹھنے کیلئے گھر سے آیا تھا؟؟ اس طرح تو اسے رکوع، سجود کی تسبیحات، تشہد، درود شریف اور دعا سے بھی چھٹی مل جانی چاہئے کیونکہ یہ سب کام امام کر رہا ہے۔ اگر وہ قرآن سننے کا حکم لگاتے ہیں تو حدیث میں سورۃ فاتحہ کا استثناء ثابت ہے۔ ویسے بھی

یہ فاتحہ (مقدمہ) ہے۔ گویا قرآن مجید کی کلید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿ولقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم﴾ (الحجر:) ترجمہ: ''ہم نے آپ کو قرآن عظیم اور سبع مثانی (بار بار دھرائی جانے والی سات آیات) عطا کیں۔'' مقلدین کے نزدیک بھی سبع مثانی سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ اگر ان کا اپنا ہی موقف ان کے نزدیک درست ہے تو پھر انہیں کم از کم یہ کرنا چاہئے کہ جہری نمازوں اور رکعتوں میں تو سورۃ فاتحہ نہ پڑھیں اور سری نمازوں اور رکعتوں میں پڑھیں۔ مگر وہ اپنے ہی موقف کے خلاف کرتے ہیں۔ یہ تو کوئی طریقہ نہیں کہ جہاں سنتے نہیں وہاں بھی نہیں پڑھتے۔ آخر وہ نماز میں کیا کرتے ہیں؟ گم صم کھڑے ہو رہنا تو کوئی عبادت نہیں ہے۔ اب تک تو میں نے ان کے موقف کی کمزوری، ان کے اپنے ہی عمل سے واضح کی ہے۔

اب میں وہ حدیث پیش کرتا ہوں۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم شریف کی متفق علیہ ہے۔ اس کی اسناد، علم حدیث کے درجات کے مطابق اعلیٰ درجے کی ہیں اور قوی ترین ہیں۔ اس کے راویان گرامی میں خلفائے راشدین بھی شامل ہیں۔ اس حدیث کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول ''امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے'' کو حدیث کا درجہ دے کر پیش کرنا حد درجہ بے ادبی ہے اور کسی امام اور علامہ کے قول کے متعلق

چراغ مردہ کجا و چشمہ آفتاب کجا   ببیں تفاوت راہ ہست از کجا تا بکجا

ہم نے وہ حدیث پیش کرنا ہے جسے کوئی رد نہیں کر سکتا۔ جس کی اسناد پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ جو روایت اور درایت کی میزان پر زرناب ہے۔ جو سرمایۂ حدیث کا لولوئے لالہ اور جواہر جز میں کوہ نور اور دریائے نور ہے۔ خدا جانے مقلدین کس دل سے اس حدیث کو چھوڑنے اور قول امام کو لیتے ہیں اور نماز جیسے رکن رکین اسلام میں بت بنے کھڑے رہتے ہیں۔ آیت: ﴿واذا قرئ القرآن.......﴾ کے بارے میں ا ان کے اپنے ہی عمل کی کوتاہی ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ کوئی شخص بلند آواز میں قرآن گھر میں پڑھے اور دوسرے لوگ شور کریں اور مقلدین سے مسئلہ پوچھیں تو وہ اسی آیت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایسے میں شور کرنا گناہ ہے۔ اگر یہ ایک نماز کیلئے خاص تھی تو یہاں عام قرأت پر کیسے لاگو ہوتی ہے۔ کلمۂ قرآت عربی میں صرف تلاوت قرآن کیلئے ہی نہیں آتا بلکہ ہر قسم کی پڑھائی (Reading) جلی و خفی کیلئے مستعمل ہے۔ مقلدین اپنی ضد کے تحت ''قرئ القرآن'' کو فاتحہ تک لے آتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یہ حکم تسبیحات، تشہد، درود شریف اور دعا پر بھی لاگو ہونا چاہئے اور تقلیدی گروہ اپنے پیش امام کی تقلید ہی کرتے رہیں اور کچھ نہ کریں اور دست بستہ وہاں اٹھتے بیٹھتے رہیں اور نماز کا قصہ ہی تمام کریں اور عملاً وہ ایسا کر رہے ہیں کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نماز نہیں اور وہ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں۔

ہم اہل مقلد کے مقابلے میں اہل حدیث ہیں۔لیکن رسول اللہ ؐ کی حدیث کے حوالے سے ہم مطیع و متبع یعنی ہم حضورؐ کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔اہل تقلید کا کہنا ہے کہ فقہی مذاہب کی تقلید آسان ہے اور عوام آسانی سے مسائل معلوم کرسکتے ہیں۔یہ بات سراسر غلط ہے۔فقہ اکبر عربی میں ہے۔حدیث بھی عربی میں ہے۔کتنے فیصد عوام اس ملک میں عربی میں دسترس رکھتے ہیں اور اگر کوئی رکھتے ہیں تو وہ فقہ اکبر اور حدیث دونوں سے یکساں طور پر استفادہ کرسکتے ہیں۔مگر بات اس سے بھی آگے ہے۔علماء کو الگ رہنے دیں۔عوام میں شاید ہزار میں سے بھی ایک آدمی نہ ہو جو عربی داں ہو۔عوام کا مطالعہ اسلام عموماً اردو تراجم کے ذریعے ہے۔فقہ اور کتب حدیث کے تراجم موجود ہیں مگر جب کسی کو نکاح، طلاق وغیرہ کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا ہے تو مقلد اور اہل حدیث دونوں ہی اپنے اپنے علماء کے پاس جاتے ہیں۔نہ مقلد کسی کتاب فقہ سے مسئلہ اخذ کرلیتا ہے اور نہ اہل حدیث براہ راست حدیث سے استفادہ کرتا ہے۔لہذا یہ دلیل بے وزن ہے کہ فقہ سے اسلام کی تفہیم یا تعمیل آسان ہوگئی ہے۔مقلد اور اہل حدیث عوام اپنے اپنے علماء کی تعلیم سے اپنے اپنے مسلک و مذہب پر نہایت آسانی سے عمل کررہے ہیں۔

میرا مؤقف یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر چار چار فقہی آراء اور مذاہب نے تفہیم اسلام کا کام نہایت پیچیدہ کردیا ہے۔جبکہ بہت کم احادیث ایسی ہیں جو باہم مختلف ہوں۔اگر آج بھی لوگ حدیث کی طرف پلٹ آئیں اور فقہ رسمی اور تقلید شخصی سے قطع تعلق کرلیں تو حدیث انہیں امت واحدہ بنادے گی۔

جو حدیث اب میں پیش کرنے والا ہوں وہ نماز کے متعلق مقلدین اور اہل حدیث کے درمیان پائے جانے والے سارے اختلافات کو ایسے انداز میں حل کرتی ہے کہ کوئی ابہام باقی نہیں چھوڑتی۔یہ حدیث ہمیشہ سے موجود ہے۔یہ کوئی میری دریافت نہیں ہے لیکن مقلدین اسے ہمیشہ سے مسترد کرتے آرہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔اگر ان میں کوئی انصاف پسند شخص ہو اور میری گزارشات اس کی نظر سے گزریں تو مجھے امید ہے کہ یہ حدیث پڑھ کر وہ تقلیدی مذہب کی بیڑیاں اتار پھینکے گا اور آسمانی حدیث کی وسعتوں، پنہائیوں اور گہرائیوں میں محو پرواز ہوجائے گا۔نماز کے متعلق بڑا اختلاف سورۃ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ہے۔دوسرا سماعت قرآن کے بارے میں ہے۔تیسرا جماعت ثانی کے متعلق ہے۔ہماری پہلی حدیث تو سماعت قرآن اور فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ حل کرتی ہے اور دوسری حدیث جماعت ثانی کا مسئلہ بتائے گی۔ناظرین یہ ضرور یاد رکھیں کہ ہم حدیث اور وہ بھی جلیل القدر صحیح حدیث پیش کریں گے۔کسی امام، بزرگ، پیر، مولوی یا علامہ کی رائے یا فتویٰ پیش نہیں کریں گے۔(عن عبادة بن الصامت قال كنا خلف رسول

الـلـه ﷺ فی صلوۃالفجر فقرأ رسول الله ﷺ فثقلت علیه القرأۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم هذا یارسول الله ﷺ قال لا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب فانه لاصلوۃ لمن لـم یقرأ بها) ترجمہ: ''حضرت عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا: ہم صبح کی نماز آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں پڑھ رہے تھے۔آپؐ پر قرأت کرنا مشکل ہوگیا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ واقعی ہم پڑھتے ہیں۔آپؐ نے فرمایا: تم سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

یہ واقعہ نماز فجر کا ہے، جہری نماز کا۔آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ وہ آپؐ کے پیچھے کیا پڑھتے ہیں؟ جب انہوں نے کہا کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں۔تو آپؐ نے فرمایا ''قرآن نہ پڑھا کرو کیونکہ تمہارا قرآن میرے قرآن سے ٹکراتا ہے البتہ سورۃ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا۔'' یہ ہے وہ حکم جو امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کرتا ہے۔ آیت: ﴿واذا قـــــری القرآن .... ﴾ عام ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنا کرو۔آئمہ حدیث کے اقوال کا ایک انبار ہم لگا سکتے ہیں جو اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔مگر ہم طول کلام کے خوف سے زبان بیان کو تاہ کرتے ہیں اور تقلیدی مذاہب والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس صریح اور صاف نہی اور امر کو یوں بے دردی سے مسترد نہ کیا کریں۔مگر وہ اتنے دلیر ہیں کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے والوں کے منہ میں انگارے ڈالنے کا حکم دیتے ہیں۔اور ذرا نہیں ڈرتے کہ وہ حکم رسول اللہؐ کی توہین کررہے ہیں۔وہ کس بنا پر اس حدیث کو مسترد کرتے ہیں؟ وہ میدان حشر کی جوابدہی سے کیوں نہیں ڈرتے؟ ان کے اکابر کے فتاویٰ ان کی جوابدہی میں کام نہ آئیں گے۔ان سے پرسش حدیث محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کی جائے گی کیونکہ ان کی طرف انہی کو مبعوث کیا گیا تھا۔کسی امام فقہ کو ان کے پاس نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ان کا ایک موقف یہ بھی ہے کہ علماء پر تقلید امام واجب نہیں ہے۔کیا ان میں علماء کا وجود ختم ہوگیا ہے؟ کیا ان کے طبقۂ علماء میں مجتہد پیدا ہونا بند ہوگئے ہیں جو تقلید کا قلادہ اتار کر اس حدیث کے آفتاب عالم تاب کے نور ہدیٰ کی ضیاء میں نئے سرے سے اجتہاد کریں اور اپنی اور دیگر لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی نمازوں کو اس نقص سے پاک کریں۔مگر صدیوں کے تقلیدی جمود نے ان کے طائرانہ فکر کو آسمانی حدیث پر پرواز کرنے کی صلاحیت سے محروم کردیا ہے۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات

اہل تقلید خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اسلام، محمدیؐ نہیں بلکہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور جعفری

ہے۔ان کا موقف ہے کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی تلاش ان کا کام نہیں بلکہ یہ کام ان کے آئمہ فقہاء کر گئے ہیں۔ان کے نزدیک اسلام، فقہ حنفیہ ہی ہے۔اب کوئی بتلائے کہ ایسے میں غیر مقلد اور مقلد کے درمیان فکر کے اس اساسی تضاد کو کون مٹا سکتا ہے جب کہ مقلد اور غیر مقلد یعنی اہل حدیث کے نزدیک اسلام کلام اللہ اور حدیث رسول اللہؐ سے عبارت ہے۔یہ فکری تضاد ہے۔یہ فقہی اختلاف نہیں ہے بلکہ نظریاتی و اصولی ہے۔ہم فراخدلی سے اتحاد بین المسلمین کی خاطر اس اختلاف کو فقہی یا فروعی کہہ دیتے ہیں مگر بات نہیں بنتی ہے۔مقلد و غیر مقلد کا اختلاف تو الگ رہا یہاں تو اب مقلدین کا مقلدین سے اختلاف زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔فقہ حنفیہ کے دونوں دھڑے یعنی بریلوی اور دیوبندی ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ دونوں دھڑے پانچویں دھڑے یعنی فقہ جعفری کے ساتھ بھی نماز نہیں پڑھتے۔اہل تقلید نے کس آسمانی حکم کے تحت چار فقہوں کو برحق تسلیم کیا ہے اور کس حکم کے تحت تعداد فقہ چار مقرر کی اور وہ کون سا حکم ہے جس کے مطابق پانچویں فقہ یا چھٹی ساتویں برحق نہیں ہو گی؟؟؟ لہذا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جماعت ثانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ معاملات اسلام ''عند رسول اللہؐ'' یا ''عند ابی حنیفہ'' کے معیار پر طے ہوں گے؟ اہل تقلید کا موقف ہے کہ ان معاملات میں آخری اتھارٹی عند ابی حنیفہ ہے۔بلکہ بریلوی مکتب فکر کے نزدیک تو اب عقائد تک ''عند اعلیٰ حضرت'' کے معیار پر رکھے جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اب اہل تقلید اپنی فکر کے پرندے دیوبند اور بریلی تک اڑاتے ہیں۔فقہ امام ابو حنیفہ تو محض ایک نام ہے ورنہ ان کی رسائی کوفہ تک بھی نہیں ہوئی اور سارے معاملات دیوبندی مدرسوں کے حوالے سے طے ہوتے ہیں۔برصغیر پاک و ہند تک آتے آتے کوفی حنفی فقہ حجازی اثرات سے معریٰ اور عجمی افکار و نظریات سے مملو ہو چکی تھی۔اب ان اہل تقلید کو عربی رنگ دکھایا جائے تو وہ اسے دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔قران و حدیث کی لذت سے ان کی زبانیں آشنا ہی نہیں ہیں تو وہ اسے قبول کیسے کریں؟ اگر وہ صرف مسئلہ عصمت انبیاء کو ہی قبول کر لیں تو بات ختم ہو سکتی ہے۔امام ابو حنیفہؒ ایک بلند پایہ فقیہ اسلام تھے۔ان کی خدمات جلیلہ سے انکار جہالت ہے۔انہوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔مگر وہ نبی نہ تھے۔چونکہ نبی نہ تھے اس لئے ان سے کسی اجتہادی غلطی کا ارتکاب کوئی بعید نہ تھا۔اس لئے ان کی ساری فکر کو حدیث کے مقابلے میں، حدیث کو مسترد کر کے قبول کر لینا، یہ کہنے کے مترادف ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء تھے۔جو غیر نبی کیلئے محال ہے۔

ہمارے نزدیک نماز انفرادی طور پر یا گھر پر بلا عذر شرعی ہو ہی نہیں سکتی۔آپ قرآن و حدیث کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ نماز با جماعت فرض کی گئی ہے۔اور فرد کو حکم دیا گیا ہے: ﴿وارکعوا

مع الـراكـعين ﴾ (البقرۃ) ترجمہ: ''رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا ﴾ ترجمہ: بے شک نماز مومنین پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔'' پھر ارشاد ہوتا ہے: ﴿اقیموا الصلوۃ واتوا الزکاۃ ﴾ ترجمہ: ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔'' یہ سب قرآنی حکم ہیں اور یہاں جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ پھر ابتداء ہی میں یہ بھی فرمادیا: ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان بالغیب لائے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، ان کیلئے یہ کتاب ہدایت ہے۔''

اگر اہل تقلید اپنے ہی امام کے فرمان کو مان لیں تو بھی بات طے ہوسکتی ہے۔ امام صاحب تین پر جماعت کا حکم لگاتے ہیں۔ اگر تین بندے پہلی جماعت سے رہ جائیں اور وہ جماعت ثانی کرالیں تو امام صاحب کے فتویٰ کے مطابق وہ جماعت ہیں تو پھر جماعت ثانی کیوں نہ کرائیں۔ مگر کیا کیا جائے۔ اہل تقلید تو نماز جمعہ کیلئے بھی شرائط بتاتے ہیں۔ یہ شرائط کس قرآنی حکم یا حدیث پیغمبرؐ کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئیں؟ حالانکہ نماز جمعہ کا حکم قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ قرآن نے کوئی شرط نہیں لگائی اور جمیع مسلمانوں کو نماز جمعہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اہل تقلید کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جس طرح آج صحاح ستہ کا مکمل سیٹ ہر لائبریری میں موجود ہے اور ایک مبتدی کی بھی دسترس میں ہے، اس طرح 80 ہجری میں نہ تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کو حجاز، عراق، شام، مصر اور دیگر ممالک و بلاد اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ان کتب و بے شمار احادیث نبویؐ تک رسائی پانا، محال تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ جیسے بلند پایہ صحابی کو بھی پیش آیا تھا۔ بارہا آپ نے مسجد نبوی میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت صحابہؓ سے پوچھا کہ زیر بحث معاملہ پر اگر انہیں کوئی حدیث معلوم ہو تو پیش کریں۔ اگر ساری احادیث کا علم ایک ایسے صحابی کو نہ تھا۔ جس کی عمر کا معتد بہ حصہ حضور اقدسؐ کی صحبت میں گزرا تو امام ابوحنیفہؒ تک، جو تابعی تھے، پورا ذخیرہ کیسے پہنچ سکتا تھا؟ بے شک امام صاحب اپنی طاقت کے مطابق کوئی بھی حکم لگانے سے پہلے تلاش حدیث کرتے اور جب حدیث نہ ملتی تو اپنی علمی بصیرت سے کوئی قیاسی حکم لگادیتے اور اس دار فانی سے رحلت فرمانے سے پہلے یہ فرماکر عنداللہ بری ہوگئے کہ میرے حکم کے مقابلے میں اگر کوئی ضعیف حدیث بھی آجائے تو اسے قبول کرلینا اور میرے قول کو ترک کردینا۔ امام صاحب کا یہ فرمانا اسی لئے تھا کہ آخری فیصلہ حدیث پر ہے میرے قول پر نہیں۔ نیز یہ اعتراف ہے کہ ان کی رسائی تمام احادیث تک نہ تھی۔ مگر آج کے مقلدین کو قول امام کے مقابلے میں ضعیف تو کجا صحیح احادیث پیش کی جائیں۔ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

مقلدین کے سارے گروہ امامت کو آسمانی منصب دے بیٹھے ہیں۔ اس لئے وہ اکثر اہل حدیث سے پوچھتے ہیں کہ تم اماموں کو مانتے ہو یا نہیں؟ حالانکہ انہیں خود معلوم ہے کہ امامت کسی ایمان یا عقیدے کی بنیاد نہیں ہے۔ ایمان اللہ پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، تمام انبیاء پر اور خصوصاً سیدنا و مولانا محمدؐ پر اور آخرت پر ہے۔ ہم آئمہ عظام کو منصوص من اللہ نہیں مانتے۔ ہمارے نزدیک اسلام اور اس کے احکام پر قدرت رکھنے والے تمام افراد امام ہیں۔ اس میں بدرجہ اولیٰ آئمہ اربعہ شامل ہیں۔ مگر یہ کسی آسمانی اتھارٹی کے حامل نہیں ہیں۔ ہم تمام آئمہ سلف کے معترف اور ان کی خدمات جلیلہ کے قائل ہیں۔ ہم ان کے اسلامی اور علمی کارناموں سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ مگر جہاں ان کی فکر، حدیث سے میل نہ کھاتی ہو، وہاں حدیث کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا حکم ہے۔ اگر مقلدین ضد نہ کریں۔ مگر تقلید جامد نے ان کی تحصیلیں بھی جامد کر دی ہیں۔ اگر وہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق غور کریں تو ثابت ہوگا کہ امام دراصل اہل حدیث تھے کیونکہ وہ فرما گئے ہیں کہ ان کے قول کے مقابلے میں ضعیف حدیث کو قبول کرلو۔ بتایئے ان کے اہل حدیث ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ امام اپنے تمام علمی تبحر کے باوجود حدیث رسولؐ کے کس درجہ دل دادہ تھے۔ اس کا اندازہ ان کے اس مذکور فرمان سے کیا جاسکتا ہے۔ پس امام ابوحنیفہؒ اہل حدیث تھے اور ہم اہل حدیث ہی ان کے ٹھیک اور سچے قدردان ہیں۔

مقلدین، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے وارث بنتے ہیں۔ چلئے فیصلہ انھی پر چھوڑتے ہیں۔ انکا فرمان ہے کہ اہل بدعت کی پہچان یہ ہے کہ وہ اہل حدیثوں کو برا کہتے ہیں۔ پھر ان کا یہ قول بھی ہے کہ اہل سنت اور اہل حدیث ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں۔ وہ انہیں غوث الاغیاث کہیں گے۔ قطب ربانی اور شہباز لا مکانی کہیں گے۔ لیکن انہیں کہیں کہ شیخ موصوف قوالی (سماع) کیقائل نہ تھے۔ ان کی غنیۃ الطالبین پڑھ لو۔ مگر جیسا کہ ہم نے کہا ہے اہل تقلید مانتے تو سب کو ہیں مگر کرتے من مانی ہیں۔ قوالی کے عدم جواز کا حکم جو شیخ نے دیا ہے اسے نہ مانیں گے اور طبلے سارنگی پر حضور کی نعت گائیں گے۔

اب میں جماعت ثانی کے ثبوت و جواز کے لئے حدیث پیش کرتا ہوں مگر پہلے ایک نہایت ہی افسوسناک واقعہ سناؤں گا وہ حنفی سے تعلق رکھنے والے ایک بڑے سیاسی و مذہبی لیڈر جہلم کے دورے پر تھے۔ مسافر تھے۔ نماز مغرب کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ راستے میں فقہ حنفی سے متعلق کی مسجد پڑتی تھی۔ لیڈر موصوف اپنے ساتھیوں سمیت مسجد میں داخل ہوئے اور جماعت ثانی کرنے کا ڈول ڈالا تو مسجد میں موجود حنفی مولوی صاحب مزاحم ہوئے کہ جماعت ثانی نہیں ہوسکتی۔ لیڈر مذکور مسافر تھے۔ عافیت کے پیش نظر انفرادی نماز پڑھ کر آگے بڑھ گئے۔ لیڈر موصوف سے کسی کا سیاسی اختلاف تو ہوسکتا ہے مگر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انکے

رہتے کا حنفی عالم یہ نہ جانتا تھا کہ جماعت ثانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر فقہ حنفی میں جماعت ثانی کی گنجائش اور جواز نہ تھا تو مذہبی راہنما کو یہ قصد ہی سرے سے نہ فرماتے۔ ان جیسا بلند پایہ حنفی عالم کیا اتنا بھی نہ جانتا ہو کہ جماعت ثانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ علامہ صاحب کا قصد نا قابل تردید ثبوت ہے کہ فقہ حنفی میں ایسی مسجد میں بھی جماعت ثانی ہوسکتی ہی جہاں جمعہ اور نماز پنجگانہ بڑے تزک واحتشام سے ہوتے ہوں۔

نمبر 2:۔ فتوی مذکور کا 331:۔سوال نمبر (500) جماعت ثانیہ جائز ہے کہ نہیں اور اگر کوئی جماعت ثانی کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ دوسری جماعت مسجد محلہ میں مکروہ ہے اور مرتکب اس کا گنہگار ہوتا ہے (کمافی درالمختار) درمختار فقہ کی کتاب ہے اور حدیث کے مقابلے میں اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ لہذا ہمارے نزدیک اس فتوی کی شرعی اہمیت نہیں۔ یہی تو سارا نزاع ہے کہ فقہ حدیث کو چھوڑ کر اسلامی مسائل کو اپنی رائے سے طے کرتی ہے۔ہم پچھلے صفحات پر اس کا مسکت جواب دے چکے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسجد جو بنیادی طور پر نماز با جماعت کے لئے ہے، اس میں نماز با جماعت خواہ جماعت ثانی ہو، میں وجہ کراہت کیا ہے۔ بلا دلیل مکروہ کہہ دینا تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اگر صاحب درمختار نے جماعت ثانی کو مکروہ کہہ دیا ہے اور کہہ دینا ہی کوئی وزن رکھتا ہے تو علمائے حدیث اور ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ جماعت ثانی ہر لحاظ سے جائز، درست اور مسنون ہے۔صاحب درمختار، صاحب فتاوی رضویہ اور صاحب فتاوی عالم گیری نبی نہ تھے کہ ان کی رائے کو تو قبول کرلیا جائے اور حدیث پیغمبر ﷺ کو مسترد کردیا جائے۔ صاحب درمختار کا فتوی کسی حدیث پر مبنی نہیں ہے۔ جبکہ ہمارا فتوی حدیث سے تائید پاتا ہے۔ہم مسائل اسلام اپنی عقل یا رائے سے طے نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے اختیار کردہ موقف کے اثبات کے لئے قرآنی آیات واحادیث کو ان کے موقع سے ادھر ادھر کرتے ہیں۔ہم قرآن وحدیث کا پہلے مطالعہ کرتے ہیں پھر کوئی موقف اپناتے ہیں مگر مقلدین ساری عمر اپنے آئمہ کے قیاسی موقف کے اثبات کیلئے سرگرداں رہتے ہیں۔ مثلاً حدیث سریف ہے کہ جب اقامت ہو جائے تو پھر کوئی نماز نہیں ہوسکتی۔ مگر مقلدین با جماعت فرض نماز کھڑی ہو جانے کے بعد بھی دھڑا دھڑ سنتیں ادا کرتے ہیں۔ خصوصاً فجر کی دو رکعت سنت کا جو حشر یہ لوگ کرتے ہیں وہ نماز کی توہین ہے۔اب چاہیے کہ وہ حدیث پر عمل کریں اور کرائیں مگر ایک بار حدیث سے منہ موڑ کر وہ عجیب عجیب فتوی دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ سنتیں کسی ستون کی اوٹ میں پڑھ لیا کرو۔ بھلے لوگو! اپنے موقف کے بودے پن پر خود ہی غور کرو۔ مگر حدیث سے منہ موڑنے کی سزا مسلسل اٹھاتے جارہے ہیں۔ یہی حال جماعت

ثانیہ کے بارے میں ان کے موقف کا ہے۔ پہلے کہتے ہیں محلے کی مسجد میں مکروہ ہے گویا اگر آبادی سے باہر کوئی مسجد ہے تو وہاں جماعت ثانیہ ہوسکتی ہے۔ہم پوچھتے ہیں کہ ایک فعل جو ایک مسجد میں مکروہ ہے، وہی دوسری مسجد میں کیوں کر رہے ہیں؟ اور اگر ہے تو حدیث لاؤ۔ درمختار کا مفتی، نبی نہ تھا۔ اور ہم نبی کی بات کے سوا کوئی دوسری بات ماننے کے قائل نہیں۔ حدیث سے دوسری جماعت کا ثبوت ملتا ہے۔ہم درمختار کا فتوی کیسے مان لیں جس کی پشت پر قرآن یا حدیث کی قوت نہیں ہے۔ بلکہ ہم تو یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ جماعت کی آخری صف میں اگر کوئی نمازی تنہا کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو حضورؐ اقدس نے اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا تھا۔ میں اپنا نقطہ نظر ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ نماز فرض بلاعذر شرعی گھر پر یا مسجد میں انفرادی طور پر ہو ہی نہیں سکتی۔ کسی انتہائی مجبوری کی صورت میں کوئی نمازی انفرادی نماز پڑھ لے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ یہ سب صورتیں تقاضا کرتی ہیں کہ جماعت ثانی ہی نہیں بلکہ جماعت ثالثہ اور رابعہ بھی کرانی چاہئے۔ (**وارکعوا مع الراکعین**) کا قرآنی حکم اور حضورؐ کی حدیث شریف جو ہم بیان کرنے لگے ہیں، ہمارے موقف کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ کسی امام، فقیہ، علامہ یا مولوی کی رائے نہیں بلکہ حضور اقدسؐ کا فرمان ہے۔علمائے مقلدین اسے دن رات پڑھتے اور پڑھاتے ہیں مگر وائے حسرتا عمل ان کی قسمت میں نہیں ہے۔

حوالہ و ترجمہ حدیث شریف: ''ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ کوئی شخص اس کو صدقہ نہیں دیتا کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔'' (ابو داؤد باب فی الجمع فی المسجد مرتین)

اب قارئین کرام خود فیصلہ فرمالیں کہ عمل درمختار کے فتوی پر ہونا چاہئے یا حدیث پیغمبرؐ پر؟ میں کہاں تک ان کے فتاوی کے جواب دوں۔ یہ بحثیں ہمیشہ سے ہو رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ مگر مقلدین کی اپنی مجبوری ہے۔ وہ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کا دم بھرتے ہیں مگر کرتے من مانی ہیں۔ امام صاحب نے جب فرمایا تھا کہ میرے قول کے مقابلے میں اگر ضعیف حدیث بھی مل جائے تو اسے قبول کر لینا۔ حدیث بالا سے عیاں ہے کہ حضور اقدسؐ مسجد میں خود با جماعت نماز ادا کرا چکے ہیں۔ اپنے حاضرین واصحاب میں سے کسی کو شوق دلایا کہ اپنے بھائی کے ساتھ مل جائے تاکہ جماعت ثانیہ ہو جائے۔ پھر اس حکم کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ حاضرین وصحابہ نماز جماعت اولیٰ حضور اقدسؐ کی امامت میں ادا کر چکے تھے۔ گویا ان اصحاب کو اس کے ساتھ جماعت ثانیہ میں شامل ہونے کو کہا۔ بتایئے! اس سے بڑھ کر جماعت ثانیہ کی اہمیت، جواز اور ثبوت کیا ہوگا۔ مگر اہل تقلید پر سب کچھ بے اثر ہے۔